

سلطنت اور دین کا تعلق

سید سلیمان ندوی

دنیا میں اس وقت دو قسم کی سلطنتیں ہیں :

ایک وہ جس میں سلطنت کو مذہب سے قطعاً علیحدہ رکھا گیا، اور یہ کہا گیا ہے کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو، اور جو خدا کا ہے، وہ خدا کو دو۔ اس تعلیم میں قیصر اور خدا و متفاہی ہستیان فرض کی گئی ہیں، جسی میں سے ایک کا حکم دوسرے سے بالکل الگ ہے، اسی پر یوپ کی موجودہ سلطنتیں قائم ہوئی ہیں اور اسی کی بنیاد پر دین و دنیا کی ۲۰ میلینہ حدیں بنائی گئی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سلطنتیں خدا پرستی، دین و راستی، صفات اور اخلاقیں نیت کے پر منظر سے عاری اور خالی ہو کر رہ گئی ہیں۔

دوسرا قسم کی سلطنت وہ ہے جس میں مذہب کا اس سے الگ نہیں رکھا گیا ہے، لیکن مذہب کی طرف ناک بروج کو سلطنتی قوانین رائیں و ضوابط کی رسیوں میں اس طرح جگہ دیا گی کہ مذہب کی لطافت جاتی رہی، اور رسم و قوانین کی حشکی نے اس کی جگہ لے لی، یہودیت اور برہمنیت اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

اصل دین الہی ایک ہی ہے، ایک ہی رہا ہے، اور ازال سے اب تک ایک ہی رہے گا، اور وہ اسلام ہے، ان الدینِ عِنْدَ اللَّهِ الْأَسْلَامُ (خدا کے نزدیک دینِ اسلام ہے) اس دین کی جماعت کی تشریع مختلف پہلوؤں سے کی گئی ہے اور کی جاسکتی ہے انہی میں سے ایک پہلوی بھی ہے کہ وہ سلطنت اور دین کا معتقد بوجوہ ہے، وہ ایسی سلطنت ہے جو ہر تو دین ہے یا ایسا دین ہے جو تن پا سلطنت ہے۔ مگر سلطنت الہی، اس اجال کی تفصیل یہ ہے کہ اس سلطنتِ الہی میں قیصر کا وجود نہیں، اس میں ایک ہی اعلیٰ حاکم و امر رہا گیا ہے، وہ حاکم ملِ الاطلاق اور شہنشاہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔

بارشاہی اسی کی ہے، حکم اسی کا ہے، فران صرف اسی کا صادر ہوتا ہے، دوسرے مجاذی حاکموں اور تمدن کا حکم اسی وقت مانا جاتا ہے جب وہ عین حکمِ الہی ہو، یا اس پر پہنچ ہو، اور حکم ازکر یہ کہ اس کے مخالف نہ ہو، آن حضرت صل اللہ علیہ وسلم اصل دین کے سب سے آخری والی، نبی اور سیفِ رحمة، اور وہی

اس سلطنت کے سب سے پہلے امیر، حاکم اور فرمان رواستھے، آپ کے احکام کی بجا اور میں صین احکام فدا کی جا آؤں گی ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أطَاعَ اللَّهَ۔ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے خُدا کی اطاعت کی ۔ (نساء ۱۱)

آپ کی وفات کے بعد دیگرے آپ کے جو جانشین اور خلفاء ہوئے، ان میں بھی دین و دُنیا کی بھی جمیعت تھی، وہ جس طرح مسلمانوں کے امیر و حاکم اور ان کی سلطنت کے فرمان رواستھے اسی طرح وہ دین کے پیشوائے امام اور مجتہد تھے اور ان کے احکام کی تعمیل بھی میں خُدا اور رسول کے احکام کی تعمیل تھی اور اب بھی مسلمان بادشاہوں کے وہ احکام جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہوں، ہر مسلمان پڑا تعلیم ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

من اطاع امیری فقد اطاع عنی و من
عصی امیری فقد عصانی اه
میر کا کہانا، جس نے میرے امیر کی نافرمانی
کی، اُس نے میری نافرمانی کی۔

سلطنت اور دین کا یہ اتحاد اسلام کا سب سے بڑا نصب ہے، احکامِ الٰہی کے مطلب اُن سلطنت کا جو حکام بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے کیا جائے وہ عین دین اور عبادت ہے۔ یہاں تک کہ امراء کا اپنی رعایا کی خدمت کرنا اور رعایا کا لپٹنے امراء اور حکام کی اطاعت کرنا بھی اطاعتِ الٰہی ہے بشر طیک و دنوں کی نیت اور غرض اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا ہو، غرض اسلام کی نظر میں سلطنت اور دین میں تفریق کاموں کی ذمیت سے نہیں بلکہ کاموں کی غرض ذمیت سے ہے، خدا کے لئے اور خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے یا ساست و سلطنت سے متعلق جو حکام بھی حسبِ حکمِ الٰہی کیا جائے، وہ دین ہے، امام کی امامت، خلیفہ کی خلافت، راعی کی رعیت، والی کی ولایت، امیر کی امداد، حاکم کی حکومت، رعایا کی تحریک، قاضی کی دادگری، عامل کا عمل، سپاہی کا قتال، مجاہد کا جہاد، محصل کی ادائی، امراء کی واجبی اخلاقیت، غرض سلطنت کے تمام متعلقہ شعبوں سے متعلق جو حکام بھی حسبِ احکامِ الٰہی اللہ کے لئے کیا جائے، وہ سب دین اور اطاعت اور موجب قربت ہے کوشاںی اگر اپنی سلطنت پر امراء اپنی امداد اور اسی طرح دوسروں مخصوصہ خدمات کے ذمہ دار اگر اپنی ذمہ داری

اور خدمتوں کو پھوڑ کر شبِ دروز کسی گوشے میں بیٹھ کر صرف یادِ الہی میں معروف رہیں اب جب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے تذکیر اپنے فرمانض سے غافل قرار پائیں گے، فرمض و واجبات و مذکرات کی بجا آوری کے بعد ان کی بہتریں جنابتی یہی قواردی گئی ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ ایسے محلہ فرمان کی بجا آوری میں مصروف رہیں۔

حضرت وادوٰ علیہ السلام کو تنبیہ کنائیں۔ جس سے حضرت وادوٰ علیہ السلام کے خواہوں کا دیوار پھاتہ کر حضرت وادوٰ علیہ السلام کے خواہوں کی بیویوں کے مقدمے کے پیش کرنے کا ذکر ہے، قصہ خوانوں نے اس کو ایک بیووہ بنا دیا ہے حالانکہ وہ ان کی تنبیہ اس باب میں ہے کہ فرانس کی اویسک کے بعد خلیفہ کی سب سے بڑی عبادت رعایا کی خدمت ان کے معاملات کی دادرگی اور ان کے کاموں کی نگرانی ہے، اور یہی احساس فرض ہے

اور داؤد نے سمجھا کہ ہم نے (یعنی خدا نے) اُن کو آزمایا ہے، تو اپنے پروردگار سے ہبھوں نے معافی چاہی اور کوئی میں گرتے اور جو بچ کیا، تو ہم نے اُن کو معاف کر دیا اور اُن کو ہمارے ان قرب کا درجہ اور پھر اُنے کہ اچھی جگہ حاصل ہے۔ لے داؤد! ہم نے تم کو زین میں خلیف بنایا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرو اور خدا ہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے ہٹا دے گا۔

وَظَنَتْ دَاؤِدَةَ تَنَا فَكَتْهَةَ فَاسْعَفَهُ
سَبَّهَهُ وَخَرَّهُ أَكْعَا وَأَنَابَ فَعَفَرَتْهَا
لَهُ ذَلِكَ وَأَنَّ لَهُ عِنْدَهَا لِزْكُرْفَيْهِ وَ
حُنْتَ مَابَ - يَدِأوْدُ إِنَّا جَعَلْنَاهُ
خَلِيلَةَ فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ - وَلَا تَسْتَعِيْلُ الْهَوَى
فَيُفَضِّلَكَ عَنْ سَيِّلِ اللَّهِ .

٢٨

اگے پچھے کی آیتوں کے درمیان بربط و نظم سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت واد د علیہ السلام سلطنت کے فرائض اور مقدمات کے فیصلوں کو چھوڑ کر اپنے عبادت خانہ کے دروازہ کو بند کر کے خدا کی عبادت میں مصروف رہنے لگے، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تنبیہ کی گئی اور بتایا گیا کہ خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ حسب احکام الہی فرائض خلافت کی ادائیگی میں معروف رہے۔

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے جو کہ اس آیت کی تفسیر ہے اور حضرت

صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

جو امام و حاکم ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت آسمان کا دروازہ بند کر دے گا۔

جو شخص مسلم اور کوئی معاملہ کا وہ دار ہوئے کہ بعد ان کی ضرورت کے وقت اورٹ میں ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ قیمت کے وہ اس کی ضرورت و احتیاج کے وقت اورٹ میں ہو جائے گا۔

مامن امام را یغلن باہمہ دون خود کی الحاجۃ والتعلہ والمسکنۃ الاعلن
الله ابواب الماء دون خلته و حاجتہ

(ترمذی ابواب الاحکام ۲۷۸)
من ولی من امر المسلمين شیئاً فاختب
دون خلتهم و حاجتهم و فقرهم
و فاقتهم احتجب الله عن وجل يوم
القيمة دون خلته و فاقته و فقره۔

(مستدرک حاکم تابع الحکام ج ۲ ص ۹۲ جید آباد)

خلافے راشدین نے ان احکام کی پیروی یہاں تک کہ انہوں نے اینٹ اور چوٹی کی چیزوں پر ایسا بھی اپنے لئے نہیں کھڑا کی۔ اور اپنی حق طلب رعایا کے بیچ میں ان کے لئے اجازت حاصل کرنے والے غلاموں کے سوا کوئی اور قائم نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمان میں حضرت سعد بن ابی وفاصل نے جو کوفہ کے والی تھے اپنے بھنے کے لئے ایک محل بنایا اور اس میں پھاٹک لگایا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بخوبی پیش کیا گیا تو انہوں نے خاص طور سے میرے محمد بن مسلم کو اس لئے بھیجا کہ اس پھاٹک میں آگ لگا کر چلے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ یعنکوں میل کی مسافت طے کر کے دہا گئے اور پسختی کے ساتھ اس پھاٹک میں آگ لگا دی جو حضرت سعد بن ابی وفاصل نے اون کا اپنے پاس بھرنا چاہا اور زاوراہ دینا چاہا تو اس کو بھی قبل نہیں کیا اور یہی سے دینہ واپس چلے آئے (ابن جنبل، ج ۱، ص ۴۵ مصر)

لئے چونکہ اسلام میں کسی کے مرکان میں داخل ہونے کے لئے اون کا حکم ہے اس لئے خداوند حضرت صل اللہ علیہ وسلم اور خلفائے کھروں کے دروازوں پر ذکر متعین کر کے تھے مگر عام پبلک مقامات مساجد اور عدالت کا ہوں میں نہ اس اجازت کی ضرورت ہے اور نہ لیے بہرہ داروں کی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے زمان میں حد آور دن کے خوف سے جب محل میں لوگوں کی آمد رفت پر
دکنیک قائم کی اور ایک صحابی نے ان کو اس حکم بھی تھے باخبر کیا تو انہوں نے فرمایہ تدبیر کی کہ پہاڑک پر
ایک آدمی کو اس غرض سے مقرر کیا کہ جو اہل حاجت ہنسپے تو اس کی ضرورت سن کر ان کو مطلع کر دے
(ترمذی، الباب الاحکام)

قرآن پک میں بار بار حکم کو عدل و انصاف سے کام لینے اور اپنے ذمہ والانہ فرائض کی بجا اور اسی
کی تاکید کی گئی ہے، خصوصیت کے ساتھ ذیل کی آیتیں اپنے معنی کے حصر کے لحاظ سے فرائض حکومت کے
پوری توضیح کرتی ہیں۔

امانت والوں کی اہمیں ان کے حوالے کر
دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے کو
زانصاف سے فیصلہ کیا کرو، خدا تھیں بہت
خوب نصیحت کرتا ہے اپنیکو خدا
ست (ادم) دیکھتا ہے، مونو خدا اور
اس کے رسول کی فرمابرداری کرو اور جو
کوئی تم میں صاحب حکومت ہیں ان کی
بھی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف
واقع ہر تو الگ فرما اور روز آخوت یہ ایمان
رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول
کے حکم (کی طرف) جمع کرو، یہ بہت اچھی
بات ہے اور اس کا مال بھی اچھا ہے

یہ آیتیں اسلامی سلطنت کے آئین کے باب میں اسلامی جیشیت کھلتی ہیں، جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے
گی، آیت کا پہلا مذکورہ اپنے معنی کے لحاظ سے اہل تفسیر کی تصریح کے مطابق اس کا اطلاق حکام پر بھی ہوتا ہے
اور یہ بات کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کیا جائے، امانت کا اعلیٰ درجہ اور حکومت کا پہلا فرض ہے۔
وَأَقِيمُوا الْوَمَّادَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا

أَنْ تَؤْذِ دُولَةً أَمْنَتَ إِلَيْهَا وَإِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ
إِنَّ اللَّهَ يُعِظِّمُ عَلَيْكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ سَيِّئًا بَصِيرًا - يَا أَيُّهَا الْأَنْذِيرُ
إِمَّا مُؤْمِنُوا أَطْبَعُ اللَّهُ وَقَاتَطُوا الرَّسُولَ
وَأُولَئِكُمْ شَكُورُونَ فَإِنْ شَنَّا عَلَيْهِمْ
فِي شَيْءٍ فَرَدَدْنَاهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ
إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ
الْأَخْيَرُ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنٌ
ثَمَّا وَيْلًا -

رساء - ۸

الْبَيْرَانَ .

اور میزان میں کھن کرو۔

یہ اور اس معنی کی اور آئتیں اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ حقوق کی ادائیگی میں پوچھا انصاف بردا جائے اور جس پیمانہ سے تم و متروکوں کے لئے ترکتے ہو، اسی پیمانے سے اپنے لئے بھی قولوں۔

پھر کار ہوان قول میں بے ایمان کرنے والوں

وَلَئِنْ يَلْتَمِعُ فَعَيْنَ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَأَوْا

پر جو لوگوں سے قول کر لیں تو پورا پورا لیں،

عَلَى النَّاسِ يَمْشُرُونَ وَإِذَا أَكَلُوا هُمْ

الرجب ان کو ناپ کریا قول کروں تو کھن۔

أَذْعَزَ رَبُّهُمْ يَحْسُدُونَ .

دین -

(مطوفین)

یہ قول میں کھن کیا اور بڑھنا انصاف کے خلاف ہے، اور خلاف انصاف کر فریادِ اللہ کی رحمت سے

خودرم ہے گا، اللہ کی رحمت کے مستحق منصف اور عدل پرور ہی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ انصاف کے نامے والوں کو پیار

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُصْسِطِيقَ .

کرتا ہے۔

(مائدہ ، بحیرات ۹)

اس آیت کی واسعت میں ہر طبقہ کے انصاف کرنے والے داخل ہیں۔

اس کے برخلاف کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے:

اور اللہ ناظم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،

وَ اللَّهُ حُلَّةٌ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ .

(آل عمران ۶ - ۱۳۳)

جئشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ .

(شوریٰ ۳)

"نکم" کے معنی کسی دوسرے کے حق کو دبانے کے ہیں، چاہے وہ اپنے ہی نفس کا ہو، یا عامہ نہیں کا ہو، یا خدا تعالیٰ کا ہو، ان آیتوں سے مقصود ہے کہ حکومت اور اس کے نمائنے اسلام میں دین کی ثابتیت کرنے ہیں، جس سے جس دخوبی عہدہ برآ ہے ناقابلِ انسان میں قصور گاہ ہے اور بحسن و نجاحی عہدہ برآ ہے اسی ہی ہے کہ وہ احکامِ الہی کے تحت ادا ہوں۔

اور جو اللہ کے اتا رے ہے اسے احکام کے

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ

مطابق حکم نہ کریں وہی افراط ہیں۔

هُمُ الْفَاسِقُونَ .

(مائدہ ۴)

احاویث میں بھی اس کی تصریحات ہیں، ارشاد ہے:

الا ايمان الناس لا يقبل الله صلوة امام ان اے لوگوں اجر امام، خدا نے جو قافزون
اتڑاے، اس کو چھوڑ کر کیون فضل کرے حکم بغیر ما انزل اللہ۔

ر مستدیک ج ۳ ص ۸۹، کتاب الاحکام) اس کی نیاز اللہ تعالیٰ قبول تھیں کرے گا۔
 بہبود ظاہر ہے کہ نیاز بندہ کی طرف سے الاستحقاقی کی کامل اطاعت اور انقیاد کی تمثیل ہے، اب یہ شخص
 ایک طرف اس کامل اطاعت اور انقیاد کا اٹھا کرتا ہے، اور دوسری طرف اس کی صریح مخالفت کا مرکب
 ہوتا ہے، وہ منافق ہے۔ اور اس لئے اس کی نیاز یعنی اٹھاڑ اطاعت، بالکا وہ الہی میں بے معنی ہے۔
 اسی سلسلہ میں ان حدیثوں کو بھی میش نظر رکھنا چاہیے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت و فرمائروائی
 بھی ایک ذہبی فریضہ ہے، جو لوگ اس فریضہ سے حسب احکام الہی عدیدہ برآ ہوں، ان کے لئے آخرت میں
 رحمت الہی کا سایہ ہے اور جو اس امتحان میں پورا ہے: اتریں ان کے لئے وہ سزا میں ہیں جو دوسری فریضہ
 میں ان کے لئے مستقرد کی گئی ہیں، فرمایا:

الامام الذي على الناس راع هو وہ امام جو لوگوں پر مقرر ہے، وہ نگران کار

مسئول عن سعیتہ (صیحہ بخاری) ہے، اس سے اس کے زیرگذار اشخاص
ج ۲، ص ۱۰۵، کتاب الحکامی کے متعلق پڑپُرس ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امیر اور امام بڑی ذمہ دار یوں کسے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں، اسلامی امارت دخلافت ہماج و تخت کی بہار اور عیش و عشرت کا گذار ہمیں، ذمہ دار یوں کا خارز ازدیق ہے، جو اس سے بسلامت گزر گیا، اس کے لئے دنیا کی حادث، اور نیک نامی اور آخرت کا ابدی آرام و آسامش ہے، اور جو اس ہیں اُبوجھ کر رہا گیا وہ اس دنیا میں بھی ذلیل و بدنام ہو گا اور آخرت میں بھی رُسم و خوار برکا۔

ما من عَدٍ يُسْتَرِّعِيهِ اللَّهُ سَمِعِيَةٌ جَسَنْدَهُ كَوَالِهِ كَسِيْ رَعِيَتْ كَانْگَلَانْ بَنَجَ

فلم يحيطها بنسخة الا لم يوجد اوردو اسکی خیرخواہی پوری پوری نہ کرے

راہجہۃ الجنة۔ ۱۔ بخاری و مسلم حوالہ سابق) تو وہ جنت کی بوسمی نہ پائے گا۔
حضرت معقل بن یساد ایک صحابی ہیں، ان کے مرض الموت میں بھروسہ کا سفاک امیر جدید الشہرین نیاں
ان کی عیادت کو آیا، انہوں نے امیر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج میں تمیں حضرت مصلی اللہ علیہ وسلم کا ایک

پیغام سنا دینا چاہتا ہوں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری زندگی اور باتی ہے تو میں نہ سنتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنتا ہے :

ما من عبدٌ سمعَ عِيَّهُ اللَّهُ أَعْيَّهُ يَقُولُ
يَوْمَ يَبْرُوتُ وَهُوَ غَاشٌ لِرَعِيَّتِهِ الْأَ
حْرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ -
(مسلم، کتاب الامارہ)

اس سے افمانہ ہو گا کہ امارت و حکومت کی ذمہ فارسی اسلام کی شریعت میں لکھی ہے، ایک اور صحابی جن کا نام عاذب بن عروضی اللہ عنہ ہے، وہ مرض الموت کا بھی انتظار نہیں کرتے۔ عبد اللہ بن نیاد کے بیان میں خود پیغام بختی ہیں اور اس کو پیار سے خطاب کر کے کہتے ہیں لے بیٹھے ہیں ایسے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنتا ہے۔

ات قُرْتَابَةَ الْجَاهِلَةِ الْعَظِيمَةِ -
(مسلم، کتاب الامارہ)

قرۃ بن میں سے شہبن -

اس نے کہا: آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بھروسی ہیں -
قرۃ بنے، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں کوئی بھروسی بھی تھا، بھروسی تو اور وہیں تھے، احسان کے بعد ذاتی ہیں -

حضرت رسول نبی اس کا جانشیں ہوتا تھا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، نبوت بعد پرستم ہرگئی البتہ خدا، ہوں گے اور بہت ہوں گے، انہی کے اتحد میں اُمّت کی سیاست کی بائگ ہو گئی -

صحابہ نے عرصہ کی : یا رسول اللہ! تو ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

فرمایا : پہلے کل بیعت کرو، پھر اس کے بعد ولے کی، پھر عہدہ چھڈا اور وہی کی، ان کا حق ان کو ادا کرو۔ (میعنی اپنے حق کی پرستش خدا پر چھوڑ دو)

کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے متعلق فَإِنَّ اللَّهَ لَمَّا قَاتَهُمْ مَكْثُورًا سَأَرَ عَاهَمْ -

باز پرس فرمائے گا جن کی گلزار اس

(صحیح بخاری) نے ان کے پرد فرمائی ہے ۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے امرا کے حق میں یہ دعا فرمائی ہے :

اللهم من ولي من أمر امتى شيشاً اسے الشهاده حکمی میری امتت کی کمی
فشت عليهم فاشقق عليه و من ولی

بات کا ریاست حکومت کے کسی حصہ کی بھی
من امر امتی شيشاً فرقہ بهر

والی ہو اور وہ ان پر سختی کے تو قبیح
اس پر سختی کرنا، اور جان سے ہماری

سے پیش آئے تو قبیح اس پر ہماری فرقہ

(مسلم)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کی دعست میں بادشاہ سے کرادی افسوسک شامل ہیں،
اور ہر ایک پرانے پنے داری حکومت کی ذمہ داری خالد ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں اس داری کی درست
اور زیادہ تر صورتی ہے :

اُن ، تم سب نگران کا ہو ، اور تم

سب سے اپنے زیر نگرانی اشخاص و

رعایا کی بابت پوچھ ہو گی تو وہوں کا امیر

نگران کا ہے اس کے زیر نگران کے متعلق

پوچش ہو گی ، اور مرد پنے کھروالیں کا

نگران کا ہے اور اس سے اسکے کھروالیں کا

ک پوشش کی جائے گی اور محنت اپنے

شوہر کے کھروالیں بال پتوں کی نگران ہے۔

(مسلم و صحیح بخاری) اس سے ان کے متعلق سوال ہو گا، اور

غلام اپنے آقا کے مل کا نگران ہے اس

سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ تو

اُن ، ہشید رہو ، تم سب نگران کا

الا فکرکو راجع و کلمکم مسئول عن

مر عیتکد والرجل راجع على اهل

بیتہ وهو مسئول عنہم والمرأۃ

راعیۃ على پیت لعلما و ولدہ

و هي مسئولة عنہم والعبد راجع

على مال سیدۃ وهو مسئول عنہ

الا فکرکم راجع و کلمکم مسئول

عن مر عیتکد ۔

ہر اور تم سے اس کے نیز نگران کے بابت
بڑ پیش کی جائے گی ۔

لفظ رحمیت اس موقع پر ایک مخصوص لفظ کی تحقیق مناسب معلوم ہوتی ہے، جو ہماری زبان میں عام طور پر رائج ہے، اور وہ رحمیت ہے اور ذمہ داری کے مقابلے والی تحقیق ہے بلکل خالی ہو گئی ہے، حدیثوں میں لفظ "رحمی" اور رحمیت بار بار آتے ہیں۔ یہ الفاظ لفظ رحمیت سے نکلے ہیں، جس کے اصل معنی جانوروں کے چرانے کے ہیں۔ "رحمی" چروانہ اور رحمیت وہ جس کو چرانے اور جس کی وہ نگہبانی کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی کی رحمیت وہ ہے جس کی تربیت اور پوشش و نگرانی اور حفاظت کسی راعی و محافظ کے سپرد ہو تو رحمیت ایک شفیقت و محاذظ چروانے کی ہے جو لپٹے گلے کو سر بر چڑا کا ہوں میں لے جاتا ہے اور ان کی شکم سیری کا سامان کرتا ہے، وندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور حادثات سے ان کو بچاتا ہے۔ اس تشریع کے مطابق یہ خوب طلب ہے کہ حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر لفظ رحمیت "گن قدر شفقت آمیز اور پرمجنت معنوں میں آیا ہے اور رفق الام و مساکن امر اپنے عمل سے اس کو کتنے زیل اور پست معنوں میں استعمال کر رہے ہیں، حالانکہ اسی نفظ میں ان کی ذمہ داریوں کا ایک بڑا ذریعہ پر مشینہ ہے اجوام عادل اپنے ذرا لطف سے بخوبی عہدہ برآ ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نسبت یہ بشارت دی ہے۔

بِسْكَ الْفَضَّافَ كَرَنَّ دَالَّهُ عَلَى صَنَا بَرِ

أَمَرًا اللَّهُ تَعَالَى كَمْ پَاسْ فُرْسَكَهُ مَنْبُون

پَاسَ كَهْ وَهْنَهْ بَلْقَهْ بَرْ ہُونَ لَگَ، اور

اللَّهُ تَعَالَى كَمْ دَوْنَنْ بَلْهَ وَهْنَهْ ہُونَ، يَہ

وَلَگَ ہُنْ جَرَانَهْ فَصَلَمَنْ لَپَنَهْ اپَنَهْ

وَلَگَوْنَ مِنْ اور اپنے زیر حکومت امور

میں عادل ہوں ۔

مَنْ نُورٌ مَنْ نِيمَيْنَ الرَّحْمَنَ وَكَلَتَ

بِيَدِيَهِ يَبِيِّنَ الَّذِينَ يَعْدُونَ فِي

حَكْمَهِمْ وَالْهَدِيِّهِمْ وَصَارُولَهَا-

(صحیح مسلم کتاب الاداء)

اس رحمت اور بذریعی سے جو ایسے عادل حاکموں، منصف امیروں اور سلطاناًوں کو تیار کئے گئے روز ماضی ہرگز ظاہر ہے کہ عادل لاد حکومت اور منصفانہ سلطنت کتنی بڑی جماعت ہے جامع تر مذہب ہے،

بے شہرباب لوگوں سے خدا کو مسیوب اور
خدا سے قریب امام عادل ہوگا۔ اور خدا
کے نزدیک سب سے مسخر حن اور خدا سے
دُور دہ امام ہوگا جو ظالم ہے۔

ان احباب النّاس الى اللّه يوم القيمة
وادنناهم مجلساً امام عادل والبغض
الناس الى اللّه واليعد لهم منه
مجلساً اماماً جائز۔

(ترمذی ، الباب الحاکم)

اس کے برخلاف جو امام اور حاکم و امیر عدل و النّاصف اور رعایا پروری اور غیر خواہی سے دُور رہیں گے،
وہ اللّہ کی رحمت سے بھی دُور رہیں گے۔ فرمایا:

جو امیر مسلموں کے کام کا والی ہو، پھر
وہ ان کے لئے محنت نہیں کرتا اور ان
کا خیر خواہ نہیں، وہ ان کے ساتھ بہشت
الجنة۔

ما من امير يلي امو المسلمين ثم
لا يجهد لهم الا لم يدخل عليهم
الجنة۔

(صحیح مسلم ، کتاب الادارہ)

کون والی جو مسلموں کی کسی ذیر تنگی از
جماعت کا والی ہو، وہ اس حال میں
مرے کرو ان مسلموں کیسا تھا فدراری
الا حرثم اللّه عليه البصّة۔

ما من والي يلي امسية من
المسلمين قيموت دھو فاش لهم
الا حرثم اللّه عليه البصّة۔

کام رکب ہو، اس پر جنت حرام ہے۔

(صحیح بخاری ، کتاب الاحکام)

امام تعالیٰ ہے، اس کے پیغمبر اس کی
پیاہ میں لا جا جاتا ہے، تو اگر وہ الشیعات
کے تقویٰ کے مطابق حکم کرے اور عدل
و عدل فان له بذلك اجرًا

انما الاماوم جنة يقاتل من ودائه
ويتقى به خان اصر متقوى الله

کرے تو اس کو اس کا بڑا انعام ہے کہ اس
دان امر بغیر کافان عليه وزناً۔

و وعدل فان له بذلك اجرًا

او را اگر غیر تقویٰ کا حکم کرے اور عدل کرے
(نسائی کتاب البیعت)

کرے تو اس کے لئے بڑی سزا ہے۔

او را اگر غیر تقویٰ کا حکم کرے اور عدل کرے

یہ حدیثیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام میں حکومت دریافت، اور سلطنت، دولتیت بھی امور دین کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور وہ بھی ثواب و عذاب، اور جزا و مجزا کی اسی طرح موجب ہیں جس طرح دین کے دوسرے

اور واعمال، اور وہ بھی ایک مسلمان کے سامنے جنت یا ندنخ کا دلائل کھولنے میں اعمال و جمادات کے دوسرے عجائب سے کم نہیں، اور اسلام کی شریعت میں یہ دین ہی کا ایک حصہ ہیں۔ یونکہ یہاں دین کے معنی احکامِ الہی ہیں یا قوانینِ الہی ہیں۔ یہ احکام اور قوانینِ الہی انسانی ذندگی کے ہر شعبہ سے یکسان تعلق ہیں۔ اس بنا پر سلطنت و دولت اور حکومت و ریاست کے کاروبار کا نظم و نسق اور اہتمام و انصرام بھی دین ہی کا ایک حصہ ہے۔

ایک مدت سے علماء کی گوشہ گیری اور صرفیہ کی خانقاہِ نشینی نے علام کو یہ تعینی دلا دیا ہے کہ قائم سلطنت اور امور سلطنت میں داخل و تبدیر دنیا کا کام ہے، جس سے اہلِ آنفہ کو کذارہ کش رہنا چاہیے۔

حافظ شیرازی کا مشہور شعر اسی تصور کا نتیجہ ہے۔

گلائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

بوز خلقت خویش خروان داند

(لے ہذا ! تو گلائے گوشہ نشین ہے، زیارتہ شور و عمل ملت کر کہ اپنی ملکت کے

دزد و اسرار بادشاہی جانتے ہیں، ہُنم کو ان سے کیا سروکار)

لیکن اسلام اس خروی کا قائل نہیں، اس کی نکاح میں سلطنت احکامِ الہی کی تبلیغ و تخفیہ اور اجرائے نئے نئے اور یہ میں دین ہے۔ اسلام میں جس قابلِ رجہاد کی وحدت، برخلافیِ اگئی ہے اور جس پر اخودی نعمتوں کے بڑے بڑے وعدے اللہ تعالیٰ نے فراہیے ہیں، اور جس سے داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کی جیاث مقدس اور حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کی زندگیان سرتاسر یا ہمور ہیں، اس سے مقصود اصل احکامِ الہی کی تبلیغ و تخفیہ اور اجراء اسی تھا، رجہاد سے فراہر غصبِ الہی اور حسم کی وجہ ہے، اور میدانِ جہاد کے سبر و شبات پر صارق قدم اور تحقیق ہونے کی بشارت ہے قرآن یہ ہے۔ حافظ میڈ الرحمہ کے اس شعر کا یہ محل بھی ہر سکتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے اسرار و مصالح کی تلاش نہیں کرنی چاہیے، جب کہ دنیا کے بادشاہ اپنے زمین و مصالح سے غیر دن کو اسکا نہیں کرتے، اگر کوئی بادشاہ کی مرمنی کے خلاف اُن کے جانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے اسی درجِ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر اپنی طرف سے احکامِ الہی کے بوز و اسرار کی تلاش و طلب نہیں کرنی چاہیے۔

يَا أَتَهُ الَّذِينَ أَصْنَعُوا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُؤْتُوهُمُ الْأَذْيَارَ وَمَنْ
يُوَلِّهِمْ يُوَمِّدُهُ بِرَبِّهِ إِلَّا مُتَحَرِّفٌ
رَقَابٌ إِذَا مُتَحَرِّفٌ حَرَفَتِهِ فَقَدْ بَاءَ
بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا وَلَهُ جَهَنَّمُ وَ
بِشَأْمَ الْمُصَبِّرِ -

(الفاتح ۲)

ان سے پیچھے پھرے گا تو دیکھو کہ وہ
خدا کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس
کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت ہی
بُری جگہ ہے ۔

اور سختی اور تکلیف میں اور (معزک) کارزا
کے وقت ثابت قدم رہیں، پیچی لوگ یہیں
جو ایمان میں پتے ہیں اور یہیں جو
خُلاد سے ڈر نے والے ہیں۔

وَالصَّابِرُونَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ
جِئِنَ الْبَأْسَاءِ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَقْبِلُونَ -

(بقرہ ۲۲)

یہی سبب ہے کہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد و قتل فی سبیل اللہ، النصارا، افامت دین
تفہیمہ حکم، امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر کے تمام کاروبار کو جس کا بڑا حصہ امامت و خلافت اور اس کے
ماحتہ، شعبوں اور ضیغوفوں سے تعلق ہے عام عبادات و اعمال صالحہ کے کام ہم نہیں سمجھتے سمجھتے، بلکہ ان
تصور اور عقیدہ کی بنا پر کہ افامت دین کی راہ میں خون شہادت کا ایک تطریہ بھی مومن کے اعمال نامہ اور
گھر میں کے دفتر کو دم کے دم میں دھو دیا ہے، حضرت صحابہؓ ہر وقت جہاد و قتل کے مشتق اور
اس نامہ میں شہادت اسکے طالب رہتے رہتے ۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِذَا مُحْجِّرُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَأَوْذَقُوا فِي سَيِّئَتِهِ وَقَاتَلُوا وَ
مُتَلَّوْا إِلَّا كَفَرُوا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ
أَنَّهُمْ أَوْلَادُهُمْ

پسند گھروں سے نکالے گئے اور دستائے
گئے اور لڑکے اور قتل کئے گئے میں اُن

کے کئی دُور کروں کا اور ان کو ہشتون
بیس داخل کروں کا، جن کے نیچے نہریں
بہہ رہی ہیں (یہ) خدا کے ہاں سے
بلد ہے، اور خدا کے ہاں اچابدلا ہے

(آل عمران ۲۰) خود لفظ این قرآن پاک میں کئی معنوں میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک معنی احکامِ الہی کی اطاعت

تفہیم اور اقامت کے بھی ہیں۔ سورہ نور میں ہے۔

اور ان دونوں مجرموں کے ساتھ اللہ کے
دین میں تم کو رحم نہ آئے۔

ولَا تَأْخُذْهُمْ بِمَا مِنْ أَفْعَلُهُ فِي دِينِ
اللّٰهِ۔ (نور - ۱)

کھلی بات ہے کہ اللہ کے دین "سے مقصود یہاں احکامِ الہی کی تفہیم و اجراء ہے ہے اسی طرح

سورہ بقرہ کی آیت میں :

وَقَاتَلُوكُمْ حَتَّى لَا كُوْنَ فَشَّةً " قَ
يُكُونُ الْغَيْبَتُ لِلّٰهِ۔

اور ان سے اس وقت تک قتال کرتے رہیا کہ
فزادنا بود ہو جائے اور دین سب خدا کا
ہی ہو جائے۔

(بقرہ ۲۳)

صرف حکمِ الہی کی اطاعت کو دین "فرمایا گیا ہے۔ سورہ النفال کی اس آیت میں :

وَقَاتَلُوكُمْ حَتَّى لَا شَكُونَ فَتَّشَّهَ " قَ
يُكُونُ الْجَنَّتُ كُلُّهُ لِلّٰهِ۔

اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔

بھی حکم و قانونِ الہی کی تسلیم و اطاعت ہی کو دین "فرمایا گیا ہے، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوانح
کوئی اطاعت کے لائق ہے اور نہ عبادت کے، اسی کا ایک فیصلہ ہے جو انسان سے زمین تک جاری ہے
إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا مِنْهُ۔ (انعام، یوسف)

إِلَّا لَهُ الْحُكْمُ (انعام)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے :

وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ

اور اسی خدا کا ہے جو کچھ انسانوں اور

الدین و اصیا۔ (عمل عما) زیجی میں ہے اور اسی کی لازمی اعلیٰ صفت ہے۔ پہلی بھی دین کے معنی احکامِ الہی کی اعلیٰ صفت ہی کے زیادہ موزون اور نظم قرآنی کے مطابق ہے۔

سلطنت و ملکیت کی حقیقت اب دین کی تشریع کے بعد حکومت و سلطنت و ولایت کی تھوڑی تسمی کے ایوانِ نزناخار، تاج اور نمرودی تخت کی روشنی اور ذین کرن بند غلاموں کے جھروٹ میں تلاش کرتے ہیں، یا جلال و جبروت اور قہر و ہمیت کی مداروں کے سائے میں، لیکن اسلام نے جس حکومت کی تعلیم دی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلیم کی جو عملی شال پیش کی ہے وہ اُن تمام مناظر سو قطعاً خالی سلطنت و حکومت اور ولایت و ریاست

اسلام نے ملکیت کے الفاظ اترک کر دیے کامیح الوقت تخلی اسلام کے قانون میں

اصلاً نہیں ہے، بلکہ اسلام نے سلطنت، حکومت اور بادشاہی و شہنشاہی کے الفاظ کو بھی جوہر زبان میں رائج ہتھے، تعلقاً چھوڑ دیا اسپ سے عام لفظ طلک کا تھا اور اس سے اونچا لفظ شہنشاہ کا تھا، ایران کے شہنشاہ کسری اور روم کے امیر قصر کہلاتے تھے۔ مگر تعلیمِ محمدی نے ان سب لفظوں سے جوہر و قہر اور ظلم و ستم کے مفہر تھے، پہنچری کیا، الملک کے مادہ میں ملکیت اور ملکیت کا تصور ہے جو اسلامی عقیدہ کے سراسر منافی ہے، اس لئے اس لفظ سے بھی پہنچری کیا، اسم کی تعلیم میں حقیقی مالک اور حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے الملک ہونے کا استحقاق اسی کو ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ وصف بار بار بیان ہوا ہے :

فَلَمَّا أَعْوَذَ بِرَبِّ الْأَنْسَى صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كُوکَمَّيْنِ وَوَوَوْنَ كَمْبُورِ دَكَارِ كَبْنَاه
إِلَهُ الْأَنْسَى۔

(الأنس ۱)

أَمْلَكَ الْقُدُّوسَ وَمِنَ الْسَّلَامِ۔

بَارِخَةَ حَقِيقِيْ بَلْ كَذَاتِ (بِرْ حَمِيمِيْ)

اَسْنَ وَامَانَ وَالاَـ

(حضر ۳)

قَسَّامِيْ اللَّهُ اَللَّهُكَ الْحَقِيقُ۔

الْمُكَلِّكُ الْقَدُّوسُ الْعَنِيْرُ الْحَكِيمُ -
بادشاہ حقيقة، پاک ذات، زبردست
حکمت والا - (جموں)

یہ آیت قرآن پاک میں تچھ جگہ آئی ہے اور ہر حکم اللہ تعالیٰ ہی کو الملک الحکم یعنی بادشاہ جسم فرمایا گیا ہے، یہاں ایک نکتہ خاص طور سے لحاظ کے قابل ہے، ان آیتوں میں کہیں بھی تنہا الملک نہیں آیا ہے بلکہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی صفت اور اضافت ضرور لکھائی گئی ہے، مثلاً اور پر کی سبھی آیتیں میں اللہ تعالیٰ کو صاحب انسانی لوگوں کا بادشاہ کہا گیا تو ساتھ ہی اس سے پہلے سب انسانی لوگوں کا پالیں ہو "بھی کہہ دیا گیا ہے تاکہ اس کی ربوبیت کا بھی اظہار ہو۔ دوسری آیت میں الملک کے ساتھ اس کے ساتھ اس کی پاکی وسلامتی ظاہر ہو جائے۔ تیسرا آیت میں الملک کے ساتھ الخلق (رجحت) کی صفت آئی ہے۔

چوتھی آیت میں الملک کے ساتھ القدوں (ربیک) العزیز (غالب) الحکیم (رحمت والا) کی صفتیں آئی ہیں۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ الملک کے لفظ کے اندر ظلم وسفک، قهر و جرادر بے رحمی و سختی ولی کا ایسا مفہوم ذہن انسانی میں پیدا ہو گیا تھا کہ اس لفظ کے ساتھ کسی نئی صفت کے پڑھائے بغیر اس مفہوم کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں جہاں پہنچے اس لفظ کا استعمال کیا ہے، اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی صفت ضرور لکھ دی ہے۔

عربی میں ملک الاملاک یا ملک الملوك اور فارسی میں لفظ ملک الملوك کی مانعت شاہنشاہ یعنی شاہ شاہ بولا جاتا تھا اور اس کا تصور بادشاہ

کے تعلق سے ہر زبان میں میانگ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اسلام میں شاہ شاہ، شہنشاہ، ملک الملوك صرف ایک ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرمایا : سب سے بذریعہ اللہ کے زمیک یہ ان اخ्तم الاسماء عند اللہ ساجد ہے کہ کوئی آدمی اپنے کو شہنشاہ قسمی ملک الاملاک۔

(صحیح بنحرانی، کتاب المأدب)

کہے۔

معاذ جن الفاظ سے ادا کئے جانتے ہیں اگر ان کی اصلیت محفوظ ہو تو معلوم ہو گا کہ الفاظ کے اندر بڑی حقیقت چھی رہتی ہے، اسلام کی زبان میں اپنی طرز حکومت کے فروع اعلیٰ کا نام خلیفہ،

اور اس کی حکومت کا نام خلافت ہے۔ خلیفہ عربی زبان میں قائم مقام اور نائب کو کہتے ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خود حاکم و فرمان روانہ نہیں بلکہ وہ اس حکومت میں کسی کا نائب اور قائم مقام ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کس کی نیابت کرتا ہے۔ اور کس کا قائم مقام ہے؟

حضرت آدمؑ کا قصہ قرآن پاک اور تواریخ دوفون صحیحون میں مذکور ہے، مگر دوفون کے تینوں الگ الگ ہیں۔ تواریخ میں یہ بیان صرف حضرت آدمؑ کے آغاز پیدائش کی تاریخ کی جیشیت سے ہے لیکن قرآن کا یہ بیان اسلام اور سیاست کا ایک بنیادی پتھر ہے، اسلام میں ایک طرف تو انسان کا مکلف ہونا، اس کا اصل مقام بہشت ہوتا، جو اوسرا کا راز، رسالت و نبوت کی ضرورت اور پیغمبروں کے آنے کی مصلحت اس قصہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری طرف کائنات میں انسان کے اصلی مقام و مرتبہ کی تعین، دینیا میں اس کے فرائض، احکامِ الہی کی بجا اوری کی صورت اور خدا کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اس کے برناو کی جیشیت واضح ہوتی ہے۔ پہلی چیز اسلام کے اصلی مقاید ہیں اور دوسری چیز اسلامی سیاست کے بنیادی مبادی ہیں لہ

قرآن پاک میں اس قصہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنَّكُمْ
جَاءُونِي بِالْأَوْصِفِينَ خَلِيقَةً -
أَرْجِبْ تَيْرَسَ پُرُودَ كَارَنَ فَرِشَتَوْنَ
سَكَاكَ کَمِيْ زَمِيْنَ ہِیْنَ اِیْکَ خَلِيفَ

(بقرہ ۲) بنائے والا ہوں۔

یہی خلیفہ حضرت آدمؑ تھے، جو تمام بني آدم کے قائم مقام ہو کر اس شرف سے ممتاز ہوئے اس لئے دوسرے موقعوں پر آدمؑ کے بجائے سامے بھی آدم کو اس شرف سے مفتوح اور ممتاز فرمایا گیا ہے، پھر اپنے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَوَّمْتَا بَنِيْ أَدَمَ وَحَمَلْتَهُمْ
فِي الْجَرَّةِ الْبَحْرِ وَدَرَّقْتَهُمْ عَرْتَ بَحْشِي، اورَانَ كَنْشَلِ اورَ تَرِی ہیں

لہ خلافت کی تحریک کے زمانہ میں خاکسار کے خیالات اور جو شہر تو سب سے پہلے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے معاشر میں ایسی استخلاف کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جس میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ مضمون آج بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے۔

ہم اٹھائے ہیں اور ان کو پاک چڑی
روزی کیں، اور ہم نے ان کو اپنی
بہتری مخلوقات پر بزرگی دی۔

ہر اسی شرفِ راتیاز کی پناپ آدمؑ بنی آدم کے قائم مقام تھے، ان کو بنی آدم کے ساتھ ملا کر صیغہ جمع

من الطیبات و فَسَّتَاهُمْ عَلَیٖ
کثیرٌ مِّمَّا خَلَقَنَا لَفْنِیْشَلَا۔

(بنی اسرائیل،)

استعمال فرمایا گیا ہے :

تم سب بہشت سے نیچے ارجاء، اب
اگر تم لوگوں کے پاس میری طرف سے کوئی
پیغمازِ رہنمائی آئے تو جو میری رہنمائی
کی پریوں کریں گے، واؤں کوئی در
ہوگا اور نہ وہ ختمِ احتجابیں گے

لَهُ طَلْوًا إِنَّهَا جَوِيْشًا فَإِنَّا يَا تَدِينَكُمْ
تَقْتَلُ هُنَّدَى فَمَنْ كَسَّهُ هَذَا عَنَّ
فَلَأَخْوَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُنَّ
يَعْرُجُونَ۔

بقرہ - ۳

سردہ اعراف میں ارشادِ الہی ہے :

اور ہم نے زمین میں تم کو تدریت بخشی
اور اس میں تمہارے زندگی بسرا کرنے کے
معاشی طریقے بنائے، تم بہت کم میرے
احسان کی قدر کرتے ہو اور ہم نے تم کو
وجہ غش، پھر تھاری صورتیں بنائیں،
پھر فرشتوں سے ہم نے کہا کہ آدمؑ کو
سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا، مگر
اللیس نے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں
نہ تھا۔

وَلَقَدْ مَكَثْتَمْ فِي الْأَرْضِ
وَجَعْلَنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا
مَا تَشْكُرُونَ۔ وَلَعَذْدَ خَلَقْتَنَا كُمْ
ثُمَّ صَوَرْتَنَا كُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةَ
اسْتَجَدْنَا إِلَّا دَمَ فَسَجَدْنَا إِلَّا إِلَيْهِنَّ
لَهُمْ يُكْنَى مَعَ السَّاجِدِينَ۔

اعراف - ۱۲

ان آئیوں سے قاہر ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو مرمت اور سرفرازی میں وہ اُن کی دناثت سے تمام
بنی آدمؑ کے معنے میں آئی۔ اس لمحے سے حضرت آدمؑ کو زمین کی خلافت کی جو سعادتِ عطا ہوئی وہ پورے
ہی نہیں آدمؑ کو نصیب ہوئی۔

سورہ انعام کے آخر میں اشادہ ہوتا ہے :

وَهُوَ اللَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيلَتَ
فِي الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ
نُوْقَبَعْضِنَ دَرَجَتِ تَبَيَّنَ لُوكُور
فِي مَا أَسْكَنَهُ إِنَّ رَبَّكَ
سَرِيعُ الْعِقَامِ وَإِنَّهُ
لَغَفُورٌ وَرَحِيمٌ۔

(انعام - ۲) ہربان ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یعنی آدم کو یہ خلافت یا نیابت کس کی عطا کی گئی ہے؟ قرآن پاک میں ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو نیابت اور جانشینی عطا ہوئی رہی ہے، جیسے عاد کی قوم کو حضرت نوح کی قوم کا جانشین فرمایا :

وَإِذْ كُوْدَآ إِذْ جَعَلْكُمْ خَلِيلَتَ
أَوْ يَارَكُوكُمْ اللَّذِي نَوْحَ كَ
مُنْتَبِعِيَّوْنَمْ نُوْجَ - (اعراف - ۱۰۰) بعد نیابت بخشی۔

حضرت ہود اپنی قوم کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی فرمائی دادی نہ کی
وَرَسْتَخْلِفُ سَبَقَيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ تو میراب تمہارے علاوہ کسی اور قوم
 کو خلافت بخشے گا۔

حضرت اورصلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اشادہ ہے :

ان يَقْتَلُ مُؤْمِنٍ هُبَّكُمْ وَرَسْتَخْلِفُّهُمْ
 اور ضحاچا ہے کہ تو تم کو لے جائے گا
 بَعْدِ كُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَ كُمْ وَقَتَنْ
 اور تمہارے بعد جس کو چاہے خلافت
 نیابت دے جس طرح تم کو دوسرے
 دُوکوں کی نسل سے پیدا کیا۔

(انعام - ۱۶)

یا مسلمانوں سے وعدہ فرمایا :

وَمَنَّ اللَّهُمَّ أَنْتَ مَنْ كُمْ وَكَلَّا اللہ نے تم میں سے اُنے سے، جو

ایمان لائے اور اچھے کام کئے، ومردہ
کیا کہ ان کو زین میں خلافت بنجئے
گا، جس طرح تم سے پہلوں کو خلافت
بنجئی۔

الصِّدِّيقُونَ يَسْتَخْلِفُهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا أَسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِكُمْ

(فُور ۱۷)

قرآن پاک ال چار آیتوں میں کچھ قوموں کا خلیفہ اور جانشین ہزا بیان فرمایا گیا،
اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زین کے
جانشین بنایا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمُ الْخَلِيفَةَ
الْأَرْضِنَ - (انعام ۲۰)

او تم سے پہلے ہم کئی اُمتوں کو، جب
انہوں نے ظلم اختیار کیا، ملک کر کچھ
ہیں، اور ان کے پاس پیغمبر کی نشانیاں
لے کر آئے، تمردہ ایسے نہ تھے کہ
ایمان لاتے، ہم گھنہگار لوگوں کو اسی
طرح بدل دیا کرتے ہیں، یہ مردہ ہم نے
ان کے بعد تم لوگوں کا ملک میں خلیفہ
بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو

سُورَةُ يُونُسَ مِنْ تَصْرِيكٍ ہے :
وَلَمَّا أَهْلَكَنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ مُّلْكَنَا
ظَلَّمُوا أَوْ جَاهَدُوهُمْ رَسُولُهُمُ بِالْبِيَتِ
وَمَا كَانُوا بِالْحُجَّةِ مُنْوَى كَذَلِكَ تَحْزِي
الْقَوْمَ الْمُهْجُوِّرِ مِنْ شَمَاءَتِكُمُ الْخَلِيفَةَ
فِي الْأَرْضِنَ مَعَ بَعْدِهِمْ لِتَنْظُرَ
كِيفَ تَعْمَلُونَ -

(یونس ۲)

اس کے بعد نوحؑ کی قوم کی تباہی کے بعد ارشاد ہے :
لیکن ان لوگوں نے ان (نوحؑ) کی
نمذیب کی تو ہم نے ان (نوحؑ) کو اور
جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے
سب کو رطوفان سے بچایا، اور
تمہیں رزین میں، خلیفہ بنایا۔

فَلَذِكْرِهِ فَتَبَيَّنَهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي
الْفُلُكِ وَجَعَلْنَاهُمُ الْخَلِيفَةَ -

(یونس ۸)

سردہ فاطمیں سلطے انسانوں کو خلیفہ اور جانشین فرمایا گیا :

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَاتٍ فِي الْأَرْضِ فَوْهَنْ كُفَّارٌ فَغَيْرُهُمْ كُفَّارٌ۔ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں ،
اپہلوں کا جانشین بنایا ، تو جس نے کفرکیا ، اس کے کفر کا ضردا اسی کو ہے
(فاطر ۲)

حضرت طوہؐ کو خلافت بخشی کی :

يَدَاوُدٌ أَنْجَلَنَا خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَأَخْمَدُ رَبِيعَتَنَا مِنْ بِالْعَقِّ۔ اے داؤد ! ہم نے تم کو زمین میں
جانشین بنایا ہے ، تو لوگوں میں انھا
کے ساتھ فیصلے کیا کرو ۔ (ص ۱۱۰)

یہ خلف خلیف خلف سے مشتق ہے ، جس کے معنی " پچھے کے " ہیں ۔ اس لئے ایک کی غیر
مہرودگی میں ، خواہ وہ اس کی مرد کے سبب سے ہو یا غیر بہت کے سبب سے ہو ، یا انکھوں سے بناہر
او جمل ہرنے کی صورت میں ہو ۔ اس کی طرف سے اس کے پچھے جو خاندہ ہو کر آئے وہ اس کا خلیف
کہلاتا ہے ۔ قرآن پاک میں ہے :
مَخْلَفٌ مِنْ يَخْرُدُهُمْ خَلُفٌ

(اعراف ۲۱ ، مریم)

یہ موت کے بعد کی جانشینی کی صورت ہے ۔ دوسری آیت ہے کہ حضرت موسیؐ نے ہدر پر جاتے
وقت حضرت مارونؓ سے فرمایا :

۲۔ وَ أَخْلِفُنَّهُ فِي قُوَّمٍ مِّنْ مِّنَابٍ

(اعراف ۱۶) بُو -

یہ زندگی ہی میں جانشینی کی ایک شکل ہے ۔

۳۔ وَ كُوْنَشَاءٌ لَعَجَلَنَا مِثْمَثَةً مَلْمَشَةً

اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتوں
فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۔ رزوفن کو بناتے ہو زمین میں خلافت کرتے ۔

اور کم تین آیتوں میں خلافت کا فنڈاڑا ذرا سے فرق سے تین معنوں میں آتا ہے پہلی آیت میں
ایک کے مردنے کے بعد دوسرے کے آنے کے ہیں ۔ دوسری آیت میں ایک کے کہیں پڑے جانے کے بعد دوسرے
کے آنے کے ہیں ۔ اور تیسرا آیت میں خلافت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا

اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو تمہاری جگہ فرشتوں کو بناتا جو تمہارے جانشین ہوتے۔ بعض نے کہا کہ تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین پر آباد کریتا اور تیرسا قول یہ ہے کہ تمہاری جگہ فرشتوں کو بناتا جو زمین میں ایک دوسرے کے جانشین ہوتے چلے جاتے۔

امام راغب الصنفی نے مفرادات میں لکھا ہے کہ خلافت کے اصل معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔ لیکن اس نیابت اور قائم مقامی کی تین صورتیں ہیں :

الخلافة النبوية عن التغير امتا
لخيبة المذنب عنه داما الموته
وامال العجزة واماالتشريف
المستخلف۔

(من ۵۵ مصر)

خلافت کے معنی کسی کے نائب ہونے
کے ہیں، اب یہ نیابت اصل کی عدم
 موجودگی کے سبب سے ہو، یا اس کی
 صرف کے سبب سے ہو، یا اس کے
 پچھے منصب سے عاجز ہونے کے سبب
 سے ہو، یا نائب کی نیابت کی عزت
 بخشش کے لئے ہو۔

پھر امام راغب نے متعدد آیتیں نقل کی ہیں، جن میں یہ تیرے معنی ان کے زد ویک مناسب ہیں اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کی نیابت کے لئے مہزود ہو سکتے ہیں، مفتی و اوقی زادہ صاحب روح المعنی تک نے ہر آیت پر جس میں یہ لفظ آیا ہے، تمیوں معنوں کے لئے قول نقل کئے ہیں، اور خود کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی ہے یہ معلوم ہو کہ کس آیت میں خلافت کے کون سے معنی یہ نہیں چاہیں۔ میرے دل میں یہ بات آتی ہے اور روزمرہ کایہ عام محاورہ بھی ہے کہ جہاں متکلم یہ ظاہر کر دے کہ یہ شخص فلاں کا جانشین ہے رہا تو اسی فلاں کا جانشین ہونا مقصود ہوگا اور جہاں متکلم اس کی تصریح نہ کرے تو اس سے مقصود خود اسی متکلم کی جانشینی اور قائم مقامی ہوگی، اس اصول پر قرآن پاک کی ہر آیت میں جسیں میں اس جانشینی کی تصریح ہے، اسی کی جانشینی مراد ہوگی، اور جہاں تصریح نہیں ہے وہاں خود متکلم قرآن یعنی اللہ تعالیٰ کی نیابت اور قائم مقامی ثابت ہوگی، جیسے قرآن پاک میں ایک آیت ہے :

وَأَنْفَعُوا أَمَّا جَعَلْنَاكُمْ مُصْلِحِينَ

اور خرچ کرو اس (رمل) میں سے جس

فیه۔

(حدید - ۱) میں شم کو اس نے نائب بنایا ہے۔
اب اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ کس کا نائب بنایا ہے، اس نے مفسرین دو گون طرف لگئے ہیں
کچھ نہ کہا کہ ایک کے بعد دوسرے کو اس مال کا نائب بنایا، جیسے باپ کے بعد بیٹا نائب ہوتا ہے۔ کچھ
نے کہا کہ مال درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، اس نے جس کے حوالہ اپنے مال و دولت کو کیا ہے، اس
کو پناہیں اور نائب بنایا ہے کہ وہ اس کی طرف سے ابو رخیر میں اس کو صرف کرے، میں نے جو
اصول اور پیش کیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں دوسرے معنی صحیح ہیں۔ کشفابیضاوی
اور روح المعانی دغیرہ میں بھی اسی معنی کو مقدم رکھا ہے۔ کشف میں ہے :

ان الاموال التي في ايديكم اتسما
دوه مال جو تمدارے قبختے میں ہے ،
هي اموال الله بخلفته وانتها ولها
رواحیقیت تمہارا نہیں ہے (الله تعالیٰ
کا ہے ، کیونکہ اسی نے اس کو بنیاد پر
اسی نے تمدارے تمنع کے لئے اس کا
تم کو مالک بنایا ہے اور تم کو اس
کے تصرف کا اختیار بخشائے ۔

بیضاوی میں ہے :

من الاموال التي بعلمه الله خلفنا
دوه مال جس کے تصرف میں اللہ خلفنا
نے تم کو جانشین بنایا ہے ۔
فی التصرف فیها ۔

روح المعانی میں ہے :

جعلکم سبحانہ خلفاء عنہ مزدوجل
الله تعالیٰ نے تم دو گوں کو پنا ، اس
(مال) کے تصرف میں جانشین بنایا ہے
ذیکر تم واقعی اس کے مالک ہو۔
اس سے معلوم ہوا کہ ان مفسرین کے نزدیک اموال کی ملکیت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہے،
اور بنی آدم ان مددکات کے تصرف میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کے وکیل و نائب ہیں۔
اب ہم اصل آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو اس باب کا مرعنوان ہے، یعنی

وَإِذْ قُلَّ لِلْمُلْكَةِ إِنِّي بِجَاءِ عَلَىٰ^{۱۷۲}
فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ (رَبْقَه ۳۴)

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا
کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنائیو لا اپنی
اس آدیت کا تفسیر میں اصریر کہ تمیم کے ساتھ اپنی سابقہ دونوں معنوں کو یہ بعد دیگر سے لکھ دیا ہے۔
اور کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ طبیری میں یہ دو فویں قول ہیں، ایک یہ کہ ایک مخلوق کے بعد دوسرا مخلوق
کی جانشی کا ذکر ہے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی نیابت کا ذکر فرماتا ہے۔ حضرت عبد الدین بن مسعود
اور حضرت عبد اللہ ابن جعفرؑ کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے :

إِنِّي بِجَاءِ عَلَىٰ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً مُّسَفِّهً
يَخْلُقُ فِي الْأَرْضِ مَا يَخْلُقُ۔

میں اپنی طرف سے زمین میں ایک خلیفہ
بنلنے والا ہوں جو میرا خلیفہ ہوگا میری
مخلوقات کے درمیان حکم کرنے میں۔

اس کے اور ابن زید کی تفسیر کا مطلب یہ بیان کیا ہے :
اَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَخْبَرَ الْمُلْكَةَ أَنَّهُ
جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً لَا يَحْكُمُ
فِيهَا بِنِعْمَةٍ لَا يَحْكُمُ

(ص ۱۰۰، مصر)

اُنداز میں فاضی بیضادی کی تصریح زیادہ حکیما ہے :

اُر اس سے مراد آدم علیہ السلام
ہیں، کیونکہ وہ اس کی زمین میں اللہ تعالیٰ
کے خلیفہ تھے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ
نے ہر نبی کو خلیفہ بنایا زمین کی آبادی
اور لوگوں کی تکرانی اور نفوس کی تکمیل
اور اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے
میں اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں کہ
کوئی اس کا خلیفہ ہو، بلکہ اس وجہ

وَالْمَوَادِيَةِ أَدْمَمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ
لَا تَهُ كَانَ خَلِيفَةً اللَّهُ تَعَالَى إِلَىٰ
فِي أَرْضِهِ وَكَذَلِكَ كَلَّ نَبِيٍّ
اسْتَخْلَفُوهُمْ فِي عِمَارَةِ الْأَرْضِ وَ
سِيَاسَةِ النَّاسِ وَتَكْبِيلِ نُفُوسِهِمْ وَ
تَنْفِيذِ أَمْرِهِمْ لِإِحْاجَةِ بَهْ تَعَالَى إِلَىٰ
صَنْ يَنْوِيْهِ بَلْ لِقَصْوَرِ قِبْضَهِ وَتَلْقَى امْرَهُ
بِغَيْرِهِ لِغَيْرِ وَسْطٍ۔

سے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تلقی کسی
واسطے کے بغیر ممکن نہ تھی۔

لیکن قرآن پاک کی آیتیں سے جو صحیح اور گزری ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ نے سامنے بھی آدم کو خلفاء فرمایا ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیاً علیہم السلام کے قوسط سے اس خلافتِ الہی کی سندان کے تبویعین تک کو عطا ہوئی ہے اور سارے بھی آدم اس شرف سے متاز ہیں۔

آیت میں خلافت کی جو تفسیرِ صحیح ہیاں ہوئی ہے اس کی ترجیح کے حسب ذیل اسباب ہیں:

- ۱۔ تمام مفسرین نے شروع سے اس مطلب کو لکھا ہے:-

- ۲۔ روایات سے اور قرآن پاک کا ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کے بعد دوسرا مخلوق کو پیدا کرتا رہا۔ اس لحاظ سے آدم کی تجذیب کوئی شخصی بات نہ تھی۔ لیکن جس اپہتمام سے، جس شان سے اور جس اہمیت سے حضرت آدمؑ کی پیدائش، اللہ کی نیابت، فرشتوں کے سجدہ کرنے اور جنت کے داخل، پھر ان کی عدالِ حکمی اور دنیا میں آباد ہونے اور سلسلہ انبیاء قائم کرنے وغیرہ کے خصوصیات و فضائل جو بیان کئے گئے ہیں، ان سے پہلے کی مخدوفات میں کوئی مقابز نہیں ہوا یہ اہتمام اس بات کی دلیل ہے کہ نیابتِ گذشتہ مخلوق کی نہیں، بلکہ خاتم کی تھی۔

- ۳۔ اور تفصیل سے تمام آیتوں کو لکھ کر جو اصولِ مہمہ کیا گیا ہے اور جس کا فتحایہ ہے کہ متکلم کے جن کلام میں نیابت کی توضیح مذکور ہوگی اس میں اسی ذکر کی نیابتِ سمجھی جائے گی اور جو کلام اس توضیح سے خالی ہوگا وہ اس لامحاد اسی متکلم کی نیابتِ صراحت ہوگی۔ جیسے کسی باادشاہ نے کہا کہ میں نے زید کو نائب بنایا۔ اب اگر کلام میں اس کی توضیح مذکور ہے، یا سیاق و سبق سے مفہوم ہتا ہے کہ کس کا نائب بنانا مقصود ہے، تو اسی کی نیابت سمجھی جائے گی، اور اگر اس توضیح سے کلام کیہے خال ہے تو مقصود خود باادشاہ کا پانائاب بنانا ہے۔ اس اصول پر ظاہر ہے کہ اس آیت میں اور نہ اس آیت میں اور نہ اس سے آگئے اور نہ اس کے پچھے کسی ایسے شخص کی توضیح ہے جس کا آدم کو نائب بنانا سمجھا جائے۔ ایسی حالت میں بلاشبہ خود اپنانائب بنانا متعین ہو جائے گا۔

- ۴۔ اس معنی کی تائید میں اور صحیح آیتیں ہیں، جن سے آدمؑ اور بھی آدم کے شرف و کرامت کا افہام ہوتا ہے، فرمایا:-

ہم نے آدم کے بیٹوں (بني آدم) کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری ہیں ہم اسما نے ہیں اور ان کو پاک چیزیں روزی کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہتری مخلوقات پر بزرگی دی ۔

وَلَقَدْ كُرْتَنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَدْنَا هُمْ فِي الْعِرَقَاتِ الْبَخِيرَ وَرَزَقْنَا هُمْ مِنَ الطَّيَّاتِ وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَىٰ كُلِّ أَنْوَارٍ مِنْهُنَّ خَلَقْنَا تَقْوِيلًا ۔

(بني اسرئیل ،)

ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت ہیں پیدا کیا ۔
پھر انسان سے لے کر زمین تک جو کچھ ہے سب اس کے لئے بنائے ہے ، اور سب اس کے کام میں لگے ہیں :

اور جتنی چیزیں آسماؤں میں ہیں ،
اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ، ان سب
کو اپنی طرف سے سفر نبایا ، پیدا کر
اس میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں
جو سوچتے ہیں ۔

وَسَخْرَنَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَيِّدًا مِنْهُ إِنَّهُ فِي ذَلِكَ لَا يَتِيمٌ تَقْوِيمٌ يَتَفَكَّرُ فِي ذَلِكَ ۔

(جاثیہ - ۲)

اور یہی نیابت الہی کی حقیقت ہے ، قرآن میں ایک جگہ ہمیں یہیں مقامات میں تمام مخلوقات
الہی کو انسان کا تابعدار اور سخر اور اسی کے لئے ان کا پیدا کیا جانا تفصیل مذکور ہے۔ مزید تشریع
کے لئے چند ایسیں اور لکھی جاتی ہیں :
وَخَلَقْنَا لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَيِّدًا ۔

اور اس نے جو کچھ زمین میں ہے سب
تمہارے لئے پیدا کیا ۔
اور وہی تو ہے جس نے دنیا کو (تمہارے)
اختیار میں کیا ۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَرَ لَكُمْ مَا فِي دُنْيَا ۔

(بقرہ - ۳۰)

وَهُوَ الَّذِي سَخَرَ لَكُمْ مَا فِي دُنْيَا ۔

(ششم - ۱۰)

اللَّهُ الَّذِي سَخَرَ لَكُمْ مَا فِي دُنْيَا ۔

(حاشیہ ۱۱)

وَسَخَرَ لِكُلِّ الْفَلَكَ -

تَابُورٍ مِّنْ كَرْدِيَا -

او رکشتوں رجہاڑوں کو تھارے

(۱۱ براہیم ۵) نیز فرمان کر دیا۔

وَسَخَرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ - (۱۱ براہیم ۵) اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کیا

ان آیات سے ثابت ہے کہ انسان اس کائنات کا مقصود اصلی ہے۔ اور اسی کو ساری مخلوقات کی صرفاری بخشی گئی ہے۔ اور یہی خلافتِ الہی کا نشان ہے، ایک اور آیت میں اشارہ ہے :

إِنَّا هَمْ صَنَعْنَا لِلْأَمَانَةَ عَلَى السَّلَامَاتِ وَ

هُمْ لَنْ (بار) اهْتَمَّ أَسْمَافُونَ، اور

الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلُنَا

وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلْنَا إِلَّا نَسَابَتْ

رَأْتَهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا -

نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور

اس کو اٹھایا، بیشک وہ ظالم اور

(۱۱ حواہ ۹) جاہل تھا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ساری مخلوقات میں سے امانت و نیابتِ الہی کے بار کا اہمترے والا انسان ہی ہے۔ یہ امانتِ الہی کیا ہے، یہ اسی نیابت و خلافت کے بیان کا دوسرا پیرا ہے، نائبِ حقیقت میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک کی طرف سے صرف ایک وکیل اور این کی چیزیت رکھتا ہے، اس لئے انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ صرف مالک کی امانت ہے جو اس کو مل ہے تاکہ نیابت کے فرض سے عہدہ برآئے سکے۔ اس کا علم اور اس کے «وسرے کمالات و محاسن» اوصاف سب اللہ تعالیٰ کی طرف راجح ہیں، اور اسی کے خواہیز سے اس کو چند روز کے لئے عادیۃ ملے ہیں۔ یہ حدیث کہ فاتِ اللہ خلقِ ادم علی صورتِہ (اللہ نے ادم کو ایسی صورت میں پیدا کیا) اسی معنی کی طرف اخلاق کریمی ہے اور مشہور قول تخلقُوا بِاَخْلَاقِ اللَّهِ (اللہ کے اخلاق سے متصف ہو) کی تشریع بھی یہی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گا کہ اسلام کا نظریہ سلطنت و ریاست ایک ایسے تصور پر مبنی ہے جو انسانیت کو بلند سے بلند نقطہ تک پہنچاتا ہے، اور جس کے اندر دادی و دردھانی سیاسی اور اخلاقی، دُنیاوی اور دینی دو فوں تصورات باہم دست و گرد بیان ہیں۔

اب اس کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ خلق عالم کا مقصود اور مخلوقات کا سردار اپنے اصل، الک کے سامنے اپنی زندگی اور حبودیت اور غلامی کا اقرار کرے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی غرض تبادی ہے :

مَنْ نَهَىٰ عَنِ الْأَنْوَارِ
وَمَا خَلَقْتَ الْجِنَّتَ وَالْأَنْسَاءَ إِلَّا
لِيَعْبُدُونِي فَلَمَّا
كَرِهُوا هُنَّ يَنْهَا

اس کی بیشتر اس ایجنت کی ہے جس کا فرض صرف اپنے الک کے احکام کی تنفیذ ہے اس کے ہاتھ میں تحریکِ الہی کا فرمان ہے، اس کے احکام کو خود بجا لانا اور ساری دنیا کو اس کے بجا لانے پر آمادہ کرنا اس کا سب سے بڑا فرض ہے۔ وہ صرف اپنے مالک کی ہر چیز کا تابع اور اس کے حکم کا بندہ ہے۔

—————